بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

"الیدالعلیا خیر منَ الیَدِالسفلیٰ"

کی روشنی میں قومی خودانحصاری کی ضرورت واہمیت

محترم قارئین کرام: خودانحصاری کی ضرورت واہمیت کے موضوع پر وفاقی وزارت مذہبی امور پاکستان کی طرف سے ایک مقابلہ منعقد ہوا۔ جس میں دینی مدارس کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلباء نے شرکت کی۔ اس سلسلہ میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے ایک ہونہار طالب علم جناب حافظ حمد بلال الحماد صاحب نے بھی حصہ لیا اور بفضل اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش نے نمایاں پوزیشن حاصل کی اور رب العزت نے یہ اعزاز جامعہ سلفیہ کے طالب علم کو بخشا کہ مورخہ ۲۲ ستمبر ۹۱ء کو صدر پاکستان کے ہاتھوں ایوارڈ وسند امتیاز حاصل کی۔

اس کی افادیت کے پیش نظر ان کے اس علمی، ادبی، اصلاحی مقالہ کو کچھ ترمیم واضافہ کے ساتھ شامل اشاعت کیا جارہا ہے تاکہ قارئین اس سے مستفیذ ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ عزیزم مقالہ نگار کو مزید توفیق وہمت سے نوازے، آمین ثم آمین۔

"ادارہ"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
"الیدالعلیا خیر من الیدالسفلیٰ"
کی روشنی میں قومی خود انحصاری کی ضرورت و اہمیت

حرف آغاز

بظاہر حدیث مبارکہ حیاتِ افراد سے وابستہ محض دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس کے مقتضیات و عوارض پر نظر عمیق ڈالنے سے اسکی آفاقیت پر مستور حجاب وا ہو جاتا ہے۔ جس طرح افرادی سطح پر کشکول برادری خودداری کی نقیض و ضد ہے۔ بعینہ ملکی کاسہ گدائی خود انحصاری و خود اعتمادی کیلئے زہر قاتل ہے۔ ذلت و مسکنت کی بادِ صرصر اس کی خودی کو بے نام و نشان کر دیتی ہے۔ احتیاجی و انحصاری اغیار ایک ایسا ناسور ہے جس کی بدولت "اپنے فیصلے آپ" اور "اپنی مدد آپ" کے اوصاف ناپید ہو جاتے ہیں۔ گویا آزادی کی نعمت چھن جاتی ہے اور قرضوں کے ساتھ ساتھ حریت کش شرائط زنجیرِ غلامی اور طوقِ مسکنت بن کر چلی آتی ہیں۔ دور حاضر کے سودی میر کی چکی ضعیف اقوام کو کچل کر رکھ دے گی۔ جس کی زندہ مثال امریکہ کی مبنی بر مفاد و نفاق امداد ہے۔ جو ہماری حریت، خودداری اور حقوق انسانی کیلئے ایک کھلا چیلنج ہے:

ایسے جینے سے بہتر ہے مر جانا ہمیں
ایسا جینا ہم کو گوارا نہیں

پس ہر زندہ و خوددار قوم کیلئے معاشی و اقتصادی خودانحصاری ازحد ضروری ہے۔ کیونکہ تعمیر و ترقی، رفعت و بلندی اور حریت فکری کیلئے محض یہی ایک زینہ ہے۔ عظمت و جاہ اور فوز و فلاح کا یہ ایک نگینہ ہے۔ فرمان رسول صلعم "اوپر (دینے) والا ہاتھ نیچے (لینے) والے ہاتھ سے بہتر ہے۔" جانبین سے خودانحصاری کی ضرورت و اہمیت کو واضح کررہا ہے۔

اولاً۔ "أنفقوا من طيبات ما كسبتم" (اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو) پر عمل پیرا ہو کر اور حق سائل و قوم کی ادائیگی سے۔

ثانیاً۔ دستِ سوال دراز کرنے سے اجتناب کے ذریعے۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے بھی مسلمانوں کو خودی کا درس دیا ہے اور وہ مسلمانوں کو محتاج و ناتواں نہیں دیکھنا چاہتے۔ مسلمان کیلئے وہ "شاہین" کا خطاب تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ شاہین خوددار ہوتا ہے۔ وہ آب و دانہ کیلئے بلندیوں سے نشیب کی طرف نہیں آتا۔ وہ آب و دانہ جو پرواز کو کوتاہ کردے ان کے نزدیک موت کا پیغام ہے:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

چنانچہ ذیل میں حدیث مبارکہ کی روشنی میں قومی خودانحصاری کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱- نظریاتی طور پر قومی خود انحصاری کی ضرورت واہمیت

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں ہر دور کیلئے رشد وہدایت کے راہنما اصول موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے گم گشتہ راہ اہل عرب نے جب چمنستان اسلام کی فضائے معرفت و عرفان میں حریت فکری کا سانس لیا تو وہ راہنمائے عالم بن گئے۔ زیور نظریہ اسلام سے آراستہ ہو کر اقسام و مواتیوں کے تخلیات و اوہام سے بے نیاز ہو گئے۔ اتحاد نظری و اتفاق فکری کے حسین خوابوں تعبیر بن گئے اور اسی نظریہ پر ہمارے وطن عزیز کی اساس ہے۔ لیکن جب ہم نظریہ اسلام سے بے راہ رو ہو کر انسانوں کے خود ساختہ نظریات کی طرف جھانکنے لگے تو ہمارے نظریاتی و فکری زاویے افتراق و تشتت اور تضاد و تخالف کا شکار ہو گئے۔ ہمارے ذہن غلام اور سودائے تہذیبِ حزب میں ازخود رفتہ ہو گئے۔ ان وبائی امراض کے مداوا کیلئے اسلامی نسخہ کیمیا کا استعمال ازحد ضروری ہے۔

(۱) اسلام کا مکمل نفاذ و قیام

اسلام ایک ایسا کامل نظام حیات ہے کہ جس نے ہر زاویۂ زندگی اور ہر پہلوئے حیات کو صلاح و فلاح سے آراستہ کیا ہے۔ اور تا ابد نوع انسانی کیلئے فقط یہی منبع رشد و ہدایت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی دل لبھا قول صادق ارشاد فرمایا ہے۔

"لن یصلح اخر ھذہ الامۃ الا ما صلح بہ اولھا"

یعنی امت محمدیہ کا آخری فرد بھی اسی کے ساتھ اصلاح پائے گا جس چیز کے ساتھ اس کے پہلے فرد نے اصلاح پائی ہے۔

لہذا اسلام جس طرح معاشرتی و سیاسی راہنمائی کرتا ہے اسی طرح معاشی و اقتصادی خوشحالی کیلئے بھی ایسے اصول بناتا ہے کہ کسی غیر کی چوکھٹ کی جانب جھانکنے کی ضرورت ہی پیدا نہ ہو۔ یعنی اسلام خودداری کا پیغام دیتا ہے اور کاسہ گدائی کو ید سفلیٰ سے تعبیر کرتا ہے اور اغیار کے ٹکڑوں پر پلنے اور قرضوں پر انحصار کرنے کو بتانِ آزری سے تشبیہ دیتا ہے:

سروری زیبا فقط اسی ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزادی

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے مہاجرین اور ان کا بوجھ اٹھانے والے انصار کو قلیل سے عرصہ میں ایسی مضبوط معیشت دی کہ تمام مسلمانوں کو خوشحال و فارغبال کر دیا اور کشائش معشیت کی طنابیں اسقدر دراز ہو گئیں کہ اسلامی ریاست نے غیر مسلم دنیا کو تالیفِ قلب کی خاطر قرضے اور مالی و مادی امداد دینا شروع کر دی۔ اسلامی لٹریچر میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ نبی رحمت صلعم نے فتح مکہ سے قبل اہل مکہ کی دورانِ قحط گرانقدر رقم اور جنس سے امداد فرمائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سعید میں اسقدر خوشحالی کا بسیرا تھا کہ ایک افسر عدی بن ارطاۃ نے لکھا کہ اہل بصرہ کہیں نخوت و تکبر پر نہ اتر آئیں۔ جواباً خلیفہ راشد نے فرمایا کہ انہیں الحمدللہ پڑھنے کی ترغیب دیجیئے۔ اسلام کے مکمل نفاذ سے آج بھی یہ چند بہاریں مسلمانوں کو عالم منجدھار سے نکال سکتی ہیں اور

خوشحال بنا سکتی ہیں۔ کیونکہ:

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

(۲) استحصالی نظاموں کا خاتمہ

اب سوال یہ رہا کہ یہ نظام کیسے قائم اور نافذالعمل ہو۔ اس کا ابتدائی جواب ہمیں سرطان زدہ وجود انسانی میں ملتا ہے۔ جس طرح بدن کا سرطان پھیل کر لاوا ہو جائے تو اس کا علاج جراحی کے ذریعے ہی کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وجود معاشرہ کے سرطانی مرض کا آخری علاج حسن انقلاب یا جراحت مسیحائی ہے۔ بہرحال جس طرح کسی بوسیدہ عمارت کی تعمیر نو مقصود ہو تو پہلے اس کی بیخ کنی لازمی ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلامی معاشرے کی تعمیر نو کیلئے موجودہ گم گشتہ راہ معاشروں کا استحصال ناگزیر ہے۔ تو اس کا بہترین ذریعہ حسن انقلاب ہے جس کا احسن و اکمل نمونہ (اسوہ حسنہ) رسول اکرم صلعم کا حسنِ انقلاب ہے۔

۲۔ عوامی سطح پر قومی خود انحصاری کی ضرورت و اہمیت

عوامی کے ساتھ قومی کا چسپاں کر دینا بظاہر بے ربط محسوس ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت انکی کڑیاں باہم مربوط و لاینفک ہیں۔ کیونکہ قوم مجموعہ افراد کا نام ہے۔ اور قومی خودانصحاری کیلئے افراد کی اخلاقی، نظریاتی اور روحانی تطہیر لابدی ہے۔ انہیں اسلام کے سنہری معاشی قوانین سے شناسائی کرانا ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہم ذرا سوچیں کہ وطن عزیز نے ہمیں کیا دیا ہے؟ اور ہم نے اسے کیا دیا ہے؟

وطن عزیز نے ہمارے لیے اپنی زرخیزی، دفائن و خزائن وا کر رکھے ہیں لیکن ہم نے ملک و ملت کو لوٹا تو ہے سنوارا نہیں۔۔۔ تِلکَ اذاً قسمۃٌ ضیزیٰ۔ پس ہمارے امراء حضرات کو اس سلسلہ میں قومی خودانحصاری کا احساس ہونا چاہیے کہ وہ مصائب و آلام، عام حاجات اور جنگ و جدل وغیرہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے نقش قدم پر چل کر ملک کو سنوارنے اور خودداری و خودانحصاری ملت کیلئے اساسی کردار ادا کریں اور موجودہ معاشی و معاشرتی سرطان کی جڑیں کاٹ دیں۔

ذیل میں ایجاز و اختصار کے ساتھ بحث کی جاتی ہے کہ عوام حدیث مطلوبہ (الید العلیا۔۔۔ الخ) کی روشنی میں قومی خودانحصاری میں کیونکر ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

(۱) سعی و اکتساب مال (جائز و ناجائز کی تمیز پر)

اسلامی معاشی نظام کا ایک اہم اصول سعی و اکتساب مال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قومی پیداوار یا دولت میں ہر شخص اپنی سعی و اکتساب کی کیفیت کے مطابق حصے کا حقدار ہے۔ موسیٰؑ نے بکریاں چرانے کو عار نہ سمجھ کر اور محمد عربی نے خندق میں شکم پر پتھر باندھ کر محنت و مشقت کو عظمت بخشی اور خود انحصاری کی ضرورت و اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ کسب حلال کا ایک ذریعہ تجارت ہے۔ اسلام میں تجارت اور اس کا نفع حلال لیکن سود اور سودی سرمایہ کاری حرام ہے۔ اور سود کا یا سود خور کو اسلام بندہ شیطان سمجھتا ہے۔ اور معاشرے کو ان خون آشام فرعونی و ہامانی اور قارونی و آزری طبقات سے منزہ دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے۔

(۲) اسلام کا اصول امین ملکیت

اسلام کے معاشی نظام کی اساس اس تصور پر ہے کہ اموال انسان کی ملکیت نہیں بلکہ اس کے پاس بطور امانت ہے۔ اصل مالک اللہ جل شانہ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اخذِ مال اور صرفِ مال دونوں شرعی اصول و قواعد کے مطابق ہونے چاہئیں۔ چنانچہ اسی ایک تصور سے بہت سی معاشی و سماجی برائیاں ختم ہو جائیں گی اور پھر نہ کسی پر ستم ہوگا اور نہ ہی کسی کیلئے وبال۔

(۳) انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

اسلام مال جمع کرنے کی بجائے اسے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور وہ بھی صرف اسی حد تک کہ اسراف و تبذیر کا شکار نہ ہو جائے بلکہ صرف مال کو "فی سبیل اللہ" کی قید سے مقید کیا ہے۔ اور حسن ضرورت سے زائد کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو

نیز فرمایا

و فی اموالھم حق اللسائل والمحروم

یعنی ان (صاحب ثروت) کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔ اور جب کوئی اس حد تک پہنچ جائے کہ انفاق فی سبیل اللہ کو نقص مال سمجھ بیٹھے اور اپنی نظر محض ذاتی فائدے تک مرکوز کر لے تو یہ ایک خناسی وسوسہ ہے۔ فرمان ربانی ہے۔

الشیطانُ یعدکم الفقرَ و یامرکم بِالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ و فضلاً

یعنی کہ شیطان تمہیں ناداری کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تمہیں بخشش اور مزید عطاء کا وعدہ دیتا ہے۔

جب ابلیسانہ توہم سے بخل واکتناز کا وبائی مرض لاحق ہو جاتا ہے پھر تجاوز کر کے یہ معاشرے کو لگ جاتا ہے تو معاشرہ بے شمار سماجی و معاشرتی برائیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی سرطانی مرض کے "حفظ ماتقدم" کے تحت نیز اس کے علاج و شفاء کی خاطر رب رحیم نے زکوۃ، انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا:

وما تُنفِقوا من خیر یوَفَّ الیکم واَنتم لا تُظلمون

اور تم امور صالحہ میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا واپس ملے گا اور تم پہ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔ بلکہ ایک مقام پر صرف مال کو "دوچند" ہونے سے تعبیر فرمایا ہے۔

فاولئکَ ہم المضعفون

پس زکوۃ و انفاق فی سبیل اللہ سے گردش دولت برقرار رہتی ہے اور یہی چیز معاشی نظام کی روح ہے اور اسی سے قومی خود انحصاری کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

(۴) کفایت شعاری

قومی خود انحصاری کیلئے کفایت شعاری بارانِ نعمت کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ چیز کسی معیشت کا حسن ہوتی ہے۔ اخراجات میں اقتصاد و کفایت شعاری ملحوظ رکھنے سے معاشی وسائل میں افراط و تفریط پیدا نہیں ہوتا اور توازنِ ثروت بھی

نہیں بگڑتا۔ یہی اسلام کا درس اقتصادیات ہے۔ قرآن مجید کی اس باب میں جامع تعلیم یہ ہے کہ:

ولا تجعل یدک مغلولة الیٰ عنقک ولا تبسطها کل البسط
ملوماً محسوراً

اور نہ اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھے رکھ (کہ کھلے ہی نہ) اور نہ اس کو بالکل ہی کھول دے کہ بعد میں حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہے۔

مقولہ مشہور ہے: "چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ"

اس تعلیم کا منشاء یہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ خرچ کرے اپنے معاشی وسائل کی حد میں رہ کر کرے نہ اسقدر حد سے تجاوز کر جائے کہ اس کا صرف اس کی آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر وہ اسراف و تبذیر کے آلہ کے ذریعے خوداعتمادی و خودداری کا خون کر کے دربدر کاسہ گدائی کرتا پھرے۔ بقول شاعر:

زمانے کی چکی دے گی اسے پیس   آمدنی ہو انیس اور خرچ بیس

سلبی پہلو

(۱) اسراف و تبذیر اور بخل کی ممانعت

کسی معاشرے کو بگاڑنے یا سنوارنے میں ان دونوں کا مساویانہ کردار ہے۔ ان کا رواج پا جانا ملک و ملت کیلئے بھی زہر ہلاہل ہے اور ان کی باد صرصر جہاں سے گزرتی جاتی ہے وہاں ہی نمود و ریاء، استحصال و ناانصافی، ہوس و تکاثر اور اضمحلال و انحطاط کے ناسور جنم دیتی جاتی ہے۔ سوسائٹی کے جسم کو نحیف اور امراض زدہ کر

دیتی ہے۔ اخلاقی گراوٹ اور جرائم کے ارتکاب کی نشوونما کرتی ہے۔ آخر کار نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ لوٹ مار رواج پالیتی ہے اور بلوا عام ہوتے ہیں۔ نتیجۃً پورا نظام سلطنت درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ان دونوں چیزوں کا ایک ساتھ تذکرہ آیا ہے:

والّذِین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواماً

یعنی کہ "اللہ کے صالح بندے وہ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہی تو نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل برتتے ہیں۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ خدا تعالیٰ نے اسراف کو فعل ابلیس قرار دیا ہے اور اس سے روکا ہے۔

ولا تبذر تبذیرا O ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

اسلامی نقطہ نظر سے اسراف تین چیزوں کا نام ہے۔

(۱) ناجائز کاموں پر دولت خرچ کرنا خواہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) جائز کاموں پر خرچ کرتے ہوئے حد سے تجاوز کرنا۔

(۳) نیکی کے کاموں پر خرچ کرنا مگر اللہ کیلئے نہیں بلکہ ریاء و نمائش کیلئے۔

اس کے برعکس بخل کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔

(۱) آدمی اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات پر اپنی قدرت اور حیثیت کے مطابق خرچ نہ کرے۔

(۲) نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے۔

ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ اسلام کی راہ ہے۔ جس کے متعلق نبیؐ فرماتے ہیں "من فقہ الرجل قصدہ فی معیشتہ" اپنی معیشت میں توسط اختیار

کرنا آدمی کے فقیہہ (دانا) ہونے کی علامتوں میں سے ہے۔

(۲) احتکار و اکتناز دولت کی ممانعت

کتاب و سنت کی تعلیمات اور خلافت راشدہ کے نظائر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک راہنما اصول یہ ہے کہ تقسیم دولت کے اندر جو تفاوت و تفاوق پایا جاتا ہے اسے کم سے کم کیا جائے اور دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم

یعنی دولت بس تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔

اسلام نے اس سلسلہ میں کئی اقدامات کیے ہیں۔ مثلاً

- سود کو حرام کیا گیا ہے۔
- زکوۃ کو فرض کیا گیا ہے۔
- غنائم سے خمس نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔
- نفلی صدقات و خیرات کی تاکید کی گئی ہے۔
- مختلف النوع کفاروں کی ایسی صورتیں تجویز کی گئی ہیں جن سے دولت کا بہاؤ معاشرے کے غریب طبقات کی طرف پھیر دیا جائے۔
- ایسا قانون میراث وضع کیا گیا ہے کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی جائیداد زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے۔
- امیر لوگوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق

ے جسے خیرات کے طور پر نہیں بلکہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔

اسلام کے ارتکاز دولت کے حکم امتناعی میں یہ حکمت بھی مضمر ہے کہ گردش دولت میں رکاوٹ بالخصوص نفس اجتماعیہ کیلئے ایسی ہی خطرناک و مہلک ہوتی ہے جیسی گردش خون میں رکاوٹ فرد بشر کے نفس کیلئے مہلک ہوتی ہے۔

(۳) گداگری کی مذمت

اسلام ایک پاکیزہ مذہب ہے اور کشکول برادری کے بجائے الکاسبُ حبیبَ اللہ کا پیغام معراج دیتا ہے۔ (کہ محنتی خدا کا دوست ہے) اسلام اخوت اور درد دل کو مسلمان کی پہچان قرار دیتا ہے کیونکہ:

یہی ہے عبادت، یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

نبی کریم صلعم نے کبھی کسی سائل کو مایوس نہیں کیا۔ اور کسی سائل کو تہی دست واپس نہ کرنا آپ کے نفس کریمانہ کا خاصہ تھا۔ لیکن آپ کی تعلیمات سے بآسانی معلوم ہوجاتا ہے کہ آپؐ نے حکیمانہ انداز میں دست سوال دراز کرنے سے باز رہنے کا درس دیا ہے۔ نبی اکرم صلعم نے ایک سائل کو کلہاڑا خرید کر لانے کیلئے فرمایا۔ تو پھر اس میں خود دستہ لگا کر دیا اور فرمایا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹو۔ تو اس پر عمل پیرا ہو کر وہ جلدی ہی خوشحال ہو گیا تھا۔

حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے؟ اور جب لوگ کہتے کہ "نہیں" تو

فرماتے کہ یہ شخص میری نظر سے گر گیا ہے۔ ان کا مقولہ تھا۔

مکسبة فیها دناءة خیر من مسالة الناسِ

یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے۔

(۳) ریاستی سطح پر قومی خودانحصاری کی ضرورت واہمیت

اسلام اجتماعیت کا قائل ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو ملکی یا ملی سطح (LEVEL) کا ہو اس میں اسلام باہمی اتفاق رائے، یگانگت اور یکسوئی کا عنصر دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلامی ریاست درحقیقت ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے۔ جس میں امیر قوم کو خادم قوم کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ روایت مشہور ہے۔۔۔

سید القوم خادمهم

تالی کا دو ہاتھ سے بجنا ایک بدیہی امر ہے۔ بالکل اسی طرح قومی و ریاستی سطح پر خودانحصاری کیلئے عوام و حکمران دونوں طبقات کیلئے کردار و عمل کا غازی بننا لابدی ہے۔ اگر جانبین سے پیہم کارگذاری، عملداری اور خدمات بجا آوری مطابقت ہو تو وہ قوم ایسا تناآور شجرہ بن جاتی ہے جیسے یک و تنہا کھڑے ہونے کیلئے کسی بیساکھی و سہارے کی حاجت نہیں رہتی اور کسی پر انحصار کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس قوم کی خودداری و خودانحصاری میں اس قدر مضبوطی اور تناؤ ہوتا ہے کہ کفر کی باد صرصر کی یلغار ہو یا ظلم کے طوفان برق و باراں کی بوچھاڑ وہ یک و تنہا ہر دم سینہ سپر رہتی ہے۔ اور اس کی واحد صورت حسن انقلاب ہے۔ جو قائد انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکمل واحسن انداز میں اس اسوہ حسنہ

مولانا حالی مرحوم اسی حسن انقلاب کی یوں عکاسی کی ہے:

مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

چنانچہ احیائے حسن انقلاب کے جو ثمرات و فوائد ہیں ان کا حصول خودانحصاری کے بغیر محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ چنانچہ ذیل میں ریاستی سطح پر قومی خودانحصاری کے خدوخال پر ضوفشانی کی جاتی ہے۔

ایجابی پہلو

(۱) زکوٰۃ و عشر کا نظام

اسلامی ریاست کفایت عامہ کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اسلام نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کیلئے زکوٰۃ و عشر کا نظام دیا ہے۔ دراصل یہ نظام محاصل معیشت کی روح اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے جس سے خودانحصاری و خود کفالت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ قرآن مجید میں جابجا صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خداتعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی بھی لازمی و ضروری ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

یاایھاالّذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض

"اے ایمان والو جو پاکیزہ مال تم نے کمایا ہے اور جو کچھ تمہارے لیے ہم نے زمین سے نکالا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو"۔

سورہ انعام مین فرمایا۔ کہ ہم نے تمہارے لیے زمین سے باغات اگائے اور کھیتیاں پیدا کیں۔

کلوا من ثمرہ اذا اثمر و اتوا حقہ یوم حصادہ

"لہذا اس کی پیداوار جب نکلے تو اس میں سے کھاؤ اور فصل کی کٹائی کے روز اللہ کا حق نکال دو"۔

اور یہاں انتہائی فکر انگیز نکتے کی وضاحت کی جاتی ہے کہ سنت حسنہ کی رو سے ایتائے زکوٰۃ کے انتظام و انصرام میں تنظیم و اجتماعیت پائی جاتی ہے۔ جسے نظام زکوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں نظام زکوٰۃ قائم کرنے اور چلانے کی ذمہ داری حکومت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت بھی صاحب نصاب سے زکوٰۃ لینے اور اسے بیت المال میں جمع کرنے۔ اس سے افراد معاشرہ کی مالی حالت سدھارنے اور ان کی کفالت کلی کرنے کی مجاز و ذمہ دار ہے۔ اور زکوٰۃ و عشر کی غایت معیشت کو کشادہ و حسین اور گردش دولت کو متوازن بنانا ہے۔ نیز اس کے دائرے کو حیات اجتماعیہ پر محیط کرنا ہے۔ جس سے من حیث القوم خود کفات اور خود انحصاری پیدا ہوتی ہے۔

آج اگر زکوٰۃ و عشر کا نظام صحیح طور پر نافذ کر دیا جائے تو امداد کی کاسہ گدائی اور قرضوں وغیرہ کے طوق غلامی سے نجات دائمہ پا سکتے ہیں۔ اور ہم کس قدر ظالم

وجاہل ہیں کہ نظام زکوۃ کے ان ثمرات و فوائد اور نتائج کو جانتے بوجھتے اس طرح نظرانداز کیے بیٹھے ہیں۔ جیسے:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

۲۔ غنائم ودفائن خمس اور مزید ٹیکس

چونکہ اسلامی ریاست معاشی نظام کے مقاصد جلیلہ میں رعایا کی کفالت کے حسن اہتمام وانصرام کی ذمہ دار ہے۔ لہذا ان لازمی و ضروری امور سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کے لئے اسلام نے غنائم ودفائن کا خمس بھی اسلامی ریاست کا حق ٹھہرایا ہے۔ عندالضرورت مزید ٹیکس عائد کرنے یا ہنگامی حالات میں حکومت سے تعاون کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا تو اس سلسلہ میں بھی اسلام نے مزید ٹیکس کی اجازت دی ہے۔ تاکہ مسلمان اپنی مدد آپ کے تحت اپنے امور خود ہی سرانجام دے سکیں اور کسی وقت بھی چوکھٹ اغیار کی جانب نظر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے اور اسلامی و خودداری اور خود اعتمادی و خودانحصاری پر کسی قسم کی آنچ نہ آئے۔ کیونکہ اسلام کا خاصہ ہے۔

الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ

یعنی "اسلام غالب ہے مغلوب نہیں۔"

۳۔ دفاعی خودانحصاری کی ضرورت واہمیت

اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی حدود مملکت میں معاشی ودفاعی

استحکام کے اسباب بطریق احسن بروئے کار لائے۔ صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت کو فروغ دے۔ یہ صرف اس کا سیاسی و طبعی فریضہ ہی نہیں بلکہ کتاب و سنت کے دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اسلامی ریاست کا دینی فریضہ بھی ہے۔ معاشی استحکام کے بغیر کوئی ریاست یا مملکت مضبوط نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اپنا دفاع خود کر سکتی ہے۔ جو کہ ازروئے شرع فرض ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

واعدّوا لهم ما استطعتم من قوة

"استطاعت بھر قوت تیار کرو"۔

اور یہ بات سراسر ہماری خود انحصاری پر چرکہ لگانے اور نمک پاشی کرنے کے مترادف ہے اور احتیاجِ غیر کا نتیجہ ہے کہ سینکڑوں ایٹم بم رکھنے والی نام نہاد ویٹو پاور (امریکہ) ہمارے پرامن ایٹمی پروگرام کو بھی شک و شبہ سے دیکھ رہی ہے۔ حالانہ ایٹم بم تیار کرنا ہمارا فریضہ ہے کیونکہ دفاع ازروئے شرع فرض ہے اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ صنعتی و سائنسی میدان میں ہم اندلس کی تصویر بن جائیں۔ اور اپنے اسلاف کی روایات کے امین اور امنگوں کی تدبیر بن جائیں اور اسلحہ ساز و بم ساز کارخانے کھولنا، جدید ترین ہتھیار تیار کرنا اور اپنی حدود میں تیار کرنا۔ جدید انکشافات و ایجادات کی حوصلہ افزائی کرنا، صنعت و حرفت کو بام عروج پر پہنچانا اسلامی ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔

(۴) ارباب حل و عقد کیلئے لمحہ فکریہ

دور حاضر میں پاکستان ایک ایسے دوراہے پر استادہ ہے جو اس کی خودداری و

خود انحصاری کا مقام امتحان ہے۔ امریکہ و دیگر مفاد پرست امدادی ادارے آنکھیں دکھا رہے ہیں اور ہمارا باب خودداری کو ہر لمحہ دستک دے رہے ہیں۔ لیکن ہم خواب خرگوش سے اب بیدار ہوئے ہیں اور قومی خود انحصاری کیلئے ابھی پر تول رہے ہیں۔ اس مرحلہ نازک پر ہمارے ارباب حل و عقد کو عزم بالجزم، ارادے مصمم اور نیتیں نیک لیکر آگے بڑھنا چاہیے۔ کیونکہ:

ارادے جن کے پختہ ہوں اور نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

اور حمیت اسلامی کو آنچ آنے نہیں دینی چاہیے کیونکہ یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے:

اپنی غیرت کی کرتا ہے جو نگہبانی خود
میں سمجھتا ہوں وہ سکندر سے افضل ہے

اس موجودہ گھمبیر صورت سے بچ نکلنے کیلئے خلفائے راشدین اور خلیفہ راشد جناب عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سعید میں روشن مثالیں موجود ہیں۔ (عمر بن عبدالعزیزؒ کی نگاہ میں) اس سلسلے میں سب سے مقدم فرض رعایا اور زیردستوں کے اس مال اور جائیداد کی واپسی تھی۔ جو شاہی خاندان کے ارکان، اموی عمال اور دوسرے عمائد نے اپنی جاگیر بنالیا تھا۔ سب سے پہلے آپ نے یہیں سے ابتداء کی۔ اس زد میں خود ان کی ذاتی جاگیر بھی آئی لیکن آپ نے عدل کے مطابق اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو دوسرے جاگیرداروں کے ساتھ روا رکھا۔ انہوں نے جاگیروں کی اسناد کا خریطہ منگوایا۔ مزاحم ان اسناد کو پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے

اور عمر بن عبدالعزیزؒ انہیں قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ صبح سے لیکر ظہر کی نماز تک جاری رہا اور اپنی اور اپنے پورے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی۔

نیز امراء و اصحاب ثروت کو ترغیب دلانا ازحد ضروری ہے کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے نقش قدم پر چلیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک ہی مجلس میں ۶۰۰ اونٹ بمعہ احلاس واقتاب قومی خدمت میں پیش کر دیے تھے۔

پس ہمارے حکمران و امراء اسلاف کے نقش قدم پر چل کر ہی ملک و قوم کو اس گھمبیر صورت سے نکال سکتے ہیں۔

(۵) قومی خزانے کا جائز مصرف

اسلام حکومت کو قومی خزانے کا مالک تصور نہیں کرتا بلکہ امین و محافظ کہتا ہے۔ خزانہ قوم کی امانت ہے جسے بحکم الٰہی عوام ہی کے مصالح خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اور عام مسلمانوں کو تصرف کے سلسلہ میں باز پرس اور محاسبے کا حق حاصل ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں تاریخ کے اوراق میں مرقوم و محفوظ ہیں۔ حاکم وقت بھی خزانہ عامرہ سے ایک پائی تک معروف طریقے کے بغیر خرچ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

امانت و دیانت اور عدل و انصاف کے سنہری اسلامی اصولوں اور اسلاف کی روایات کی یاد تازہ سے ہی قومی خود انحصاری کے خواب کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ وگرنہ یہ خواب اضغاث احلام کے قبیل سے ہی ہو گا۔ "اک دفعہ حضرت عمرؓ بیمار پڑ

گئے۔ معالج نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہں لے سکتے تھے۔ مسجد نبویؐ میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں"۔ اس کارروائی سے طلب اجازت کے سواءً یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامرہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

(٦) احتساب کی لاٹھی

راستے کی رکاوٹوں کو دور کیے بغیر کوئی گاڑی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتی۔ بالکل اسی طرح احتساب (CHECKING) کے بغیر کوئی ملک قومی خودانحصاری کی لیلیٰ کو نہیں پا سکتا۔ دور رسالت اور خلافت راشدہ میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ فتوح البلدان میں ہے:

کان عمر بن الخطاب یکتب اموال اعماله اذا ولاهم ثم
یقاسمهم ما ذاد علیٰ ذالک

حضرت عمرؓ جس وقت کوئی عامل مقرر کرتے تو اس کے پاس جس قدر مال و اسباب ہوتا تھا۔ اس کی مکمل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھ لیتے تھے اور اگر مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تھا تو اس سے مواخذہ کرتے تھے۔ اور حالیہ مالی کسمپرسی کے عالم میں حکومت کو عمل احتساب کا احیاء کر دینا چاہیے۔ قومی خودانحصاری کیلئے یہ اشد ضروری ہے۔

ہمارے معاشی عدم استحکام کی تین وجوہات ہیں۔

١۔ زکوٰۃ و عشر کا صحیح و کامل شرعی نظام مفقود ہے۔

٢۔ ٹیکسوں کی بھرمار کو عوام نے سرکاری ظلم تصور کر لیا ہے۔

۳۔ افسر شاہی کی ٹیکسوں کے سلسلہ میں امراء سے ملی بھگت اور ٹیکسوں کو ذاتی جیب خرچ بنا لینے کا بددیانتی کا کردار ہے۔

اگر عصائے احتساب کے ذرعے اصلاح و تطہیر نہ کی گئی تو قومی خودانحصاری کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ ہمار تو یہ حال ہے:

جانتے ہیں مگر مانتے نہیں

سلبی پہلو

(۱) تعیشات کا خاتمہ

بین الاقوامی یا بین المملکتی صورتحال سے یہ حقیقت طشت ازبام ہو چکی ہے کہ وہی قوم باوقار طریقے سے زندہ رہنے کا استحقاق رکھتی ہے جو خوشحال و فارغبال اور زیور خودانحصاری سے آراستہ ہو۔ وگرنہ:

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اور خودانحصاری کے حصول کیلئے ازحد ضروری ہے کہ سرکاری شاہانہ استقبالیوں و میٹنگوں اور غیر ترقیاتی کاموں پر عوام کے ٹیکسوں کی رقوم کو فضول نہ اڑایا جائے۔ بلکہ تکلفات و تعیشات کے بجائے اسلام کے اصول سادگی، متانت و اعتدال کو اپنانا چاہیے۔ ہمارے اسلاف کا تو یہ عالم تھا۔ "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ رات کو بیت المال کی شمع جلا کر کام کرتے تھے۔ لیکن جب کوئی ذاتی کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو اٹھوا دیتے اور ذاتی چراغ جلا کر کام کرتے"۔

(۲) سود کا کلی قلع قمع

رب ذوالجلال نے ہر چیز حسین بنائی۔ اور اسے حسین دیکھنا چاہتا ہے۔ لہذا وہ انسان کو محسن اور دولت کو حسین دیکھنا چاہتا ہے۔ دولت کو حسین بنانے کا ذریعہ زکوٰۃ ہے۔ لیکن غارتگرِ حسنِ دولت سود ہے۔ اسلام تو گلستان انسانی کے سدا بہار رہنے کیلئے یہ اصول رکھتا ہے کہ:

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

گویا اسلامی معیشت ایک دوسرے کی خیر خواہی و فلاح کیلئے ہوتی ہے۔ لیکن ابلیس کے تلبیس سودی کا یہ خاصہ ہے:

چوس لیں گے لہو اپنی پیاس بجھانے کیلئے

"سود اہل احتیاج کی داد رسی کی بجائے ان کی حالت حاجت سے وحشیانہ و ابلیسانہ کھیل کھیلنے کے مترادف ہے۔ سود کی سرطانیت یعنی اس کے انسانیت سوز اثرات، سلب و نہب، حسن زندگی، رہزنی ایمان و تقویٰ کے پیش نظر اسلام نے اسے حرام، گناہ کبیرہ اور انسانیت سوز جرم قرار دیا ہے اور اس سے محترز و گریزاں رہنے کی پرزور تاکید کی ہے۔ سوداگر سود دھندوں کی معیشت کو مفلوق الحاق بناتا ہے اور انہیں لذت حسن و زندگی سے محروم رکھتا ہے۔ تو سود خوروں کی زندگی کو بھی مسموم کرتا اور اس کی جمالیاتی ثروت یا دولت دل سلب کر کے اسے ایسی مادی دولت حرام دیتا ہے جس میں آگ مضمر ہوتی ہے۔ جو قلب کو لگتی ہے تو اس کو محیط ہو کر آدمی کو اہل نار و خبطی بنا دیتی ہے"۔

اور یہ آیت مبارکہ

الذین یاکلون الّربوٰ لا یقومُون الاّ کما یقومُ الّذی یتبخطہُ الشیطانُ مِنَ المسِ

کی عملی تصویر ہی ہے۔

اسلامی ریاست "فلاحی ریاست" ہے

"فلاحی ریاست" کی اصطلاح جدید ہو تو ہو لیکن اس کا تصور نیا نہیں ہے۔ کتاب و سنت کی تصریحات اور خلافت راشدہ کے واقعات سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ کفالت عامہ اسلامی ریاست کا لازمی عنصر ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ و عشر، میراث و غنائم وغیرہ ایسے ذرائع محاصل قائم کیے ہیں اور انفاق فی سبیل و انفاق بالعفو کی ترغیب دی ہے جس سے کفالت کلی کا پائیدار اہتمام و انصرام ہو جاتا ہے۔

مواخات بھی ایک اہم اسلامی اصول ہے جو کفالت عامہ میں بنیادی رول (ROLE) ادا کرتا ہے۔ یہ اس کا ثمر تھا کہ "قلیل عرصہ میں مہاجرین کی بنیادی ضروریات زندگی (BASIC NEEDS) کے اسباب اللہ کریم نے عقد مواخات کے ذریعے پیدا کر دیئے"۔

اسلامی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک شخص کے کمائے ہوئے مال سے امیر کفالت افراد، قریبی رشتہ داروں، معاشرہ کے عام نادار لوگوں اور وارثوں کے ان معاشی حقوق کا حساب پھیلا کر دیکھا جائے تو یہ ہزاروں افراد تک پہنچتا ہے۔ اور یوں اسلامی معاشرہ میں ہر فرد کی کمائی ایک ایسا چشمہ فیض بن جاتی ہے جس سے

بے شمار لوگ سیراب ہوتے ہیں اور خود بھی اسی طرح دوسروں کے جاری کردہ چشمہ ہائے فیض سے سیراب ہوتا رہتا ہے۔ "حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

ایھاالنّاس انّ اللہ قد کلفنی ان اصرف عنہ الدعاء

"کہ میں اس بات کا مکلف ہوں کہ اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکوں"۔ یعنی امام کا یہ فرض (منصبی) ہے کہ ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور ان کو اس بات کی ضرورت نہ پڑنے دے کہ وہ اللہ سے انصاف کے طالب ہوں۔ اس طرح وہ لوگوں کی ضروریات اور حاجات پوری کرے تاکہ ان کو اس بات کی ضرورت نہ رہے کہ خدا تعالیٰ سے ان کی تکمیل کے طالب ہوں"۔

اسلام کے انہی راہنما اصولوں کا یہ ثمر تھا کہ اسلامی مدنی ریاست اسقدر معاشی و دفاعی اعتبار سے مستحکم ہو گئی کہ اہل مکہ کی ایام قحط میں گرانقدر مالی و جنسی (غلہ) امداد کی اور دور فاروقیؓ اور زمان عمر بن عبدالعزیزؒ میں زکوٰۃ و صدقات دینے والے ہاتھوں میں لیے پھرتے۔ لیکن انہیں کوئی لینے والا دکھائی نہ دیتا۔ محمد بن قیس نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مجھے حکم دیا کہ "مستحق لوگوں میں صدقہ تقسیم کروں۔ لیکن میں نے دوسرے سال دیکھا کہ جو لوگ صدقہ قبول کرتے تھے وہ صدقہ دینے کے قابل ہو گئے"۔

یہ ہے اسلام کے سنہری اصول "الید العلیا من الید السفلیٰ" کی روشنی میں قومی خود انحصاری کی تصویر جہاں تاب، جس میں سو بسو صلاح و فلاح کی شمعیں فروزاں ہیں۔ شوکت و سطوت و عروج و کمال کا ہر پہلوئے حیات پر بسیرا ہے اور

یہی اسلامی حسن انقلاب کا روشن چہرہ اور انسانیت کیلئے صبح کا سویرا ہے۔

حرف آخر

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے۔ فرد ہو یا قوم وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ صرف ان کا خیر مقدم کرتا ہے جو سرپٹ دوڑتے ہوئے اشہبِ زمانہ پر سوار ہو جاتے ہیں اور لحہ بھر کی کوتاہی ولاپرواہی کو کھٹکنے یا پنپنے کا موقع نہیں دیتے۔ کیونکہ:

یہ بزم مئے ہے یاں کوتاہ دستی سے ہے محرومی
جو بڑھ کر ہاتھ میں تھام لے یہ مینا اسی کی ہے

انسان کیلئے وقت اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا عطا کردہ مرکب ہے جو اپنے راکب کے ارادہ و حوصلے اور ہمت و استطاعت کے مطابق سست رو، تیز رو یا برق رفتار ہوتا ہے۔ راکب اگر رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں تو توفیق الٰہی سے وقت برق نمط یا براق بن کر انہیں معراج کمال تک لے جاتا ہے۔ قوم حامل عصائے کلیمی ہو تو امر ربی سے وقت کبھی اس کیلئے صحراء میں آب شیریں کے چشمے بہا دیتا ہے اور کبھی اسے ناقابل عبور دریا پار کرا دیتا ہے۔ لیکن جو اللہ کریم کی عطا کردہ نعمت کی قدر نہیں کرتے تو وقت انہیں دریا برد کر دیتا ہے۔ دوش وقت ایک ہی جھٹکے میں انہیں اپنی رواروی میں کچل دیتا ہے۔

یہ کارواں ہستی ہے تیز گام ایسا

قومیں کچل گئی ہیں جس کی رواروی میں

اور یہ حقیقت ہے کہ جو قوم کیا ہوا شکار کھانے کی خوگر بن جائے اوروں کی اقتداء میں لگ جائے یا راستے میں ہی مثل خرگوش سکون وراحت کیلئے آنکھیں موند لے تو تازیانہ زمانہ انہیں تحت الثریٰ کی پستیوں میں دھنسا دیتا ہے۔

اے مسلمان قوم! مجھے تو بھٹکے ہوئے آہو کی طرح راہِ حرم کو فراموش کر چکی ہے۔ تجھے تو رہبر عالم بننا چاہیے تھا اور اسلام کے کامل نظام حیات کی تجلی میں محو سفر رہنا تھا جس نے دنیا کی مفلس ترین اور بے راہرو قوم کو دنیا کا رہبر بنا دیا تھا۔ انسان کے ہاتھوں سے کشکول گدا کو بے نام و نشان کر کے عزت و وقار اور جود و سخا کا لباس فاخرانہ اوڑھا دیا تھا۔ خودداری، خوداعتمادی اور خودانحصاری کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کر دیا تھا۔ مگر اے امت مسلمہ! تو مجموعی طور پر اس ربانی عطاء (اسلام) سے انحراف کر چکی ہے۔ اب یہ روگردانی اپنی فطری حدوں سے تجاوز کرنے والی ہے۔ ذرا ہوش کر۔ چنانچہ دعا کے طور پر آخر میں بزبان اقبال رحمۃ اللہ علیہ ملت اسلامیہ کیلئے پیغام نشان منزل ہے۔ یاربّ

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

آمین یاربّ العالمین